پھر جب تقسیم ملک واقع ہوگئی اور خستہ حال مہاجرین پاکستان آنا شروع ہوئے تو جماعت اسلامی کے کارکنوں نے اپنے لئے سہولتیں حاصل کرنے کی جدوجہد میں محو ہو جانے کے بجائے لاہور کے مضافات میں باؤلی کیمپ، والٹن کیمپ اور شاہدرہ کیمپ میں، اور اس کے علاوہ سندھ اور پنجاب کے بعض دوسرے کیمپوں میں مہاجرین کی مختلف خدمات انجام دے کر اس امر کا مظاہرہ کیا کہ اسلام مسلمانوں سے مہاجر مسلمانوں کے لئے کس قسم کی انصاریت کا مطالبہ کرتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جب پاکستان بننے کے بعد یہاں ایک دستور کی تدوین کے لئے مجلسِ دستور ساز قائم ہوئی اور قوم کے سامنے یہ سوال آگیا کہ وہ اپنی آزاد زندگی کی تعمیر مغربی جمہوریت یا اشتراکیت کے اصولوں پر کرے یا اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر، تو اس مرحلے پر جماعت اسلامی اس سوال کا صحیح جواب لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے شہر شہر، قریہ قریہ ایک ایک مسلمان تک پہنچایا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں "مطالبہ نظامِ اسلامی" نمودار ہوا جس کے لئے جماعت اسلامی نے اتنی منظم تحریک بپا کی کہ دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو اس مطالبہ کو دستوری حیثیت سے تسلیم کرکے وہ "قراردادِ مقاصد" پاس کر دی کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی غیر اسلامی دستور و نظام کو جاری کرنے کے دستوری راستے بہر حال بند ہیں۔

پھر اس قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے کے بعد جب جماعت اسلامی نے یہ محسوس کیا کہ اس قراردادِ کے تقاضوں کے مطابق ملت جن تبدیلیوں کے ظہور کی آرزومند ہے ان کے واقع ہونے میں بدقسمتی سے اربابِ اقتدار کا وہ گروہ حائل ہے جو اپنے ذہن و سیرت کی مخصوص ساخت کی وجہ سے یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ اسلامی نظام کی امامت کا فرض ادا کر سکے تو جماعت نے پورے دلائل کے ساتھ انقلابِ قیادت کی دعوت کو اپنے عوام تک پہنچانے کا آغاز کر دیا۔ اب اس انقلاب قیادت کو اسلام کے منشا کے مطابق برپا کرنے کے لئے رائے عام کو اسلامی اصولوں کی تربیت دینے کا جو مرحلہ سامنے آگیا ہے، اس میں جماعت اسلامی قول و عمل سے شہادتِ حق کا فریضہ انجام دینے اٹھی ہے۔ پس اس کام میں کامیابی کے اصل معنی صرف یہ ہیں کہ جماعت اسلامی نے شہادتِ حق کا حق ادا کر دیا۔ رہا یہ سوال کہ حالات کے دھارے کا رُخ عملاً کس حد تک مُڑ سکیگا، یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اختیار میں ہے۔

کامیابی کا یہ تصور پیشِ نظر رکھنے کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ ہم لوگ ذرائع و وسائل، احوال و ظروف اور تاریخی عوامل کو ناپ تول کر کام کی اسکیم مرتب کئے بغیر آنکھیں بند کرکے آگے بڑھ رہے ہیں۔ احوال کی سازگاری و ناسازگاری کے جملہ پہلو ہمارے سامنے ہیں اور ان کا پورا پورا اندازہ کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے اور اس کے بعد ہی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جہاں تک مشکلات کا تعلق ہے تلخ حقائق کے یہ پہلو ہمارے سامنے ہیں:۔

۱۔ ہمارے سروں پر ایک پارٹی کی اجارہ دارانہ حکومت قائم ہے جس کا بس چلے تو وہ کسی دوسری پارٹی کے وجود ہی کو گوارا کرنے پر تیار نہیں ہے۔

۲۔ ہمارے ملک کے اکابر اور بعض غیر ذمہ دار عہدے دار اور بیشمار ماتحت ملازمین بر سرِ عام بھی اور پرائیویٹ صحبتوں میں بھی، کبھی کھلے کھلے اشارات کرکے اور کبھی نام لے کر ایک پارٹی کی حمایت اور دوسری پارٹیوں کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آنے والے انتخابات پر ان طریقوں سے بہت اثر ڈالا جا سکتا ہے۔

۳۔ انتخابات کیلئے جس آزادانہ فضا کی ضرورت ہوتی ہے، اسکو مکدر کرنے کے لئے اکابر نے پبلک سیفٹی ایکٹ اور پاکستان سیفٹی آرڈی ننس جیسے تسلطائی قوانین نافذ کر رکھے ہیں۔

۴۔ بعض دوسری سیاسی جماعتوں کے چند کارکنوں کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کے امیر، نائب امیر اور قیم آج حکومت کی نظربندی میں ہیں اور ان کو نظربند رکھنے کی وجوہِ جواز مہیا کرنے کیلئے آئے دن پروپگنڈے کے جو ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے عوام غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور ایک جماعت کو معتوب سمجھکر اس سے تعاون کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

۵۔ ہمارے عوام میں سیاسی شعور کی کمی ہے اور اس کمزوری سے مفاد پرست لوگ ناجائز فائدہ اٹھانے پر ابھی تک قادر ہیں۔ علاوہ بریں کسی حد تک جمود اور پست ہمتی بھی موجود ہے۔

۶۔ مفاد پرستوں کے جال ابھی تک ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے حلقوں کو کاٹنا کوئی ایسا آسان کام نہیں جو دنوں میں ہو جائے۔

ان مشکلات کے بالمقابل حالات کے دوسرے پلڑے میں جن روشن پہلوؤں کو رکھ کے وزن کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ہمارے موجودہ لیڈروں نے گذشتہ دو سال کے کارناموں سے رائے عام کو انقلابِ قیادت کی ضرورت کا احساس

خود دلایا ہے اور ہر طرف نئی صالح قیادت کی پیاس پیدا ہو چکی ہے۔

۲۔ یہ بات بھی شہری اور دیہاتی ہر حلقے میں محسوس کی جا رہی ہے کہ موجودہ کارفرما طاقتوں کے ہاتھوں اسلامی نظام کبھی بھی برسر عمل نہیں آ سکتا۔

۳۔ عوام کو اگرچہ اسلام کا واضح شعور نہیں ہے اور انکی دلچسپیاں بیشتر جذباتی ہیں، لیکن وہ بہر حال انتخابات کے متعلق اسلام کی رہنمائی کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور ان میں سیاسی شعور دین ہی کے ذریعے جلد رونما ہو سکتا ہے۔

۴۔ جماعت اسلامی کے متعلق بار بار غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ملّتِ پاکستان کو اس بات کا شعور بہر حال ہو چکا ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کی منظم جدوجہد کرنے والی واحد جماعت یہی ہے اور اسمیں یہ بل بوتا ہے کہ پاکستان کو مغربی جمہوریت اور کمیونزم کے تسلط سے بچالے۔

۵۔ جماعت کے جلسوں میں شرکت، اس کے پیغام پر توجہ اور انتخابات کے متعلق اسلامی اصولوں کی دعوت سے تاثر کا جو ثبوت گذشتہ دو ماہ سے عوام ملک نے دیا ہے، وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔

۶۔ جماعت اسلامی کے علاوہ بہت سی دوسری دینی جماعتیں بھی صالح قیادت کو بروئے کار لانے کا عزم رکھتی ہیں۔

یہ ہیں حالات کے روشن اور تاریک پہلو جن کا میزانیہ سامنے رکھ کر ہی جماعت نے انتخابات میں شرکت کا فیصلہ کیا ہے۔ اب آگے مسئلہ جدوجہد کا ہے اور جتنی جدوجہد ہو گی، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی اتنے ہی نتائج دکھائے گا۔

نتائج کے لحاظ سے تین صورتیں پیش آ سکتی ہیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی ناکامی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

پہلی صورت یہ ہو سکتی ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے ہم اسکی توقع کرتے ہیں کہ قیادت میں ایک مؤثر تبدیلی رونما ہو جائے اور اسمبلیوں میں کسی طرح اسلام سے گہری وابستگی رکھنے والے صالحین کی ایک بڑی تعداد جمع ہو جائے۔ یہ صورت اگر پیدا ہو گئی تو اسلامی دستور بنانے اور جماعت کے زیر ترتیب منشور کی خاص اسکیم کے مطابق حکومت کے نظم و نسق اور معاشرتی حال اور معاشی نظام میں فوری اور تدریجی تبدیلیاں عملاً رونما کرنے کا کام جلد از جلد آغاز پذیر ہو سکے گا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ صالحین کی ایک قلیل تعداد ہی کو آگے لایا جا سکے۔ اس صورت میں یہ قلیل تعداد بھی جب ایک اصولی مقصد کیلئے کام کرنا چاہیگی تو یہ بعض ایسے لوگوں کو بھی ساتھ لے سکیگی جو پہلے اسلام کی حمایت میں سرگرمی سے

کام کرنے کی جرأت نہیں دکھا رہے تھے لیکن اب ایک طاقت کو کام کرتے دیکھ کر انکی ہمت بندھ جائیگی۔ علاوہ بریں مختلف مسائل میں قدم قدم پر جب اسلام پسند عنصر اور مغربیت مآب عنصر میں کشمکش ہوگی تو مختلف لوگ مختلف مسائل میں اسلام پسند عنصر سے تعاون کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔

لیکن ہم اس سے بھی گر کر تھوڑی دیر کیلئے یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ صالحین کی اتنی تعداد بھی آگے نہ آسکے گی کہ وہ کوئی حزبِ خلاف (APPOSITION PARTY) مرتب کرسکے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اس معیار کا صرف ایک ہی فرد سامنے آتا ہے جیسے جماعت اسلامی نے کے اٹھی ہے۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ ایسا ایک فرد تو تنہا بھی بہت کچھ کرسکتا ہے۔ ایسا ایک شخص بھی اگر دین کے شعور اور نظام اسلامی کے قیام کے جذبے کے ساتھ اسمبلی کی کارروائیوں میں حصہ لے تو قدم قدم پر وہ پوری اسمبلی کے سامنے خدا و رسول کے صریح احکام کو سامنے رکھکر یہ سوال پیدا کرسکتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کو مانتے ہو یا پامال کرکے آگے بڑھنا چاہتے ہو؟ اسمبلی ہال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اگر کوئی ایک شخص بھی پوری جسارت سے انجام دینے پر کمربستہ ہو تو اسکا یہ فائدہ بھی ہوسکتا ہے کہ نمائندگانِ ملت کیلئے قانونِ الٰہی سے صریح انحراف کرنا ممکن نہ رہے۔ لیکن اگر یہ فائدہ بھی ہو تو کم سے کم رائے عام کی تربیت کرنے میں بہت بڑی مدد اس طریق سے بہم پہنچ سکتی ہے۔

تیسری صورت جو محض بطور ایک مفروضے کے ہم سامنے رکھنا چاہتے ہیں، یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی ایک صالح آدمی بھی ادھر نہ آیا جاسکے۔ شاید دنیوی سیاست کی نگاہ میں یہ ایک کھلی کھلی ناکامی ہوگی، لیکن جماعت اسلامی جس دینی سیاست پر کاربند ہے اس کے لحاظ سے اس صورت میں بھی کامیابی کے نمایاں پہلو موجود ہیں۔ جہاں تک اخروی کامیابی کا تعلق ہے —— اور جو ہمارے نزدیک اصل مطلوب و مقصود ہے —— وہ صحیح طور پر کام کرنے کے بعد ہر حال میں محفوظ ہے، لیکن سوال صرف اخروی کامیابی ہی کا نہیں، دنیوی طور پر بھی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابلِ لحاظ ہیں:-

(۱) اس وقت تاریخ کا وہ لمحہ ہمیں درپیش ہے جسے تبدیلی کا لمحہ کہتے ہیں۔ لوگ جس سیاسی نظم میں منسلک تھے وہ اپنا نصب العین پورا کرچکنے کے بعد طبعی طور پر انحلال سے دوچار ہے اور تاریخ کے قوانین کے تحت خود اس کے اندر سے شکست و ریخت کے وجوہ و اسباب ابھر آئے ہیں۔ ایسے لمحے میں ملک کو ایک نئے مرکزِ تنظیم کی ضرورت ہے۔ پس اس وقت جماعت کے میدان میں آجانے سے یہ فائدہ بہرحال حاصل ہوگا کہ عوام کو انتشار سے بچکر ایک جگہ سمٹنے کیلئے نئے مرکز سے تعارف ہوجائے گا۔

(۲) کارکنانِ جماعت کو رابطۂ عوام کا جو موقع ملیگا، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے نتائج کبھی ضائع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ لازماً جماعت کی دعوت گاؤں گاؤں پھیل کے رہیگی اور کئی کروڑ باشندوں کو براہِ راست جماعت کے کارکنوں کو دیکھنے اور ان کے مسلک کو سمجھنے کا موقع ملیگا، اور انکی بیشمار غلط فہمیاں اس رابطہ کی وجہ سے صاف ہو جائینگی۔ (۳) کارکنانِ جماعت کو آئندہ مراحل میں کام کرنے کیلئے اپنے آپ کو تربیت دینے کے بہترین مواقع حاصل ہونگے۔ (۴) ملک کے اصل صالح عناصر کے متعلق جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کو تفصیلی طور پر یہ اندازہ ہو سکیگا کہ یہ کہاں کہاں پائے جاتے ہیں اور انکے ذریعے کتنا کام کسطرح کیا جا سکتا ہے (۵) دوسری طرف ملک کے مفسد عناصر سے بھی براہِ راست واسطہ پڑیگا اور پورے ملک میں ایسے لوگوں کو پہچانا جا سکیگا جو قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کے پورا ہونے میں اپنی دولت، اپنے اثر و رسوخ اور اپنی دماغی قابلیتوں کے ذریعے مزاحم ہونیوالے ہیں۔

چاہے ہمارے معیار کا ایک صالح فرد بھی منتخب نہ ہو سکے ___ تو بھی ہم اس صورت میں سو فیصدی کامیاب ہونگے جبکہ ہم اسلام کے اصولِ انتخاب اور اسکے سیاسی اخلاق کا ایک صحیح نمونہ ملک کے سامنے رکھدیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر لوگ حسبِ سابق اسلامی معیار سے گرے ہوئے لوگوں کو منتخب کریں اور پھر انکے ہاتھوں وہ بار بار تلخ تجربات کا سامنا کریں تو انکو زمانۂ انتخاب کے یہ واقعات یاد آ کے پشیمان کر سکیں کہ ہمیں ان غلط کار نمائندوں کے تسلط سے بچانے اور صالح قیادت کو رونما کرنے کیلئے کچھ ایسے لوگ ہمارے سامنے آئے تھے جنہوں نے گالیاں سنیں لیکن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا تھا، جن پر بہتان لگائے گئے لیکن انہوں نے جواب میں بہتان تراشیاں نہیں کی تھیں، جنکے خلاف جوڑ توڑ کیے گئے لیکن انہوں نے کوئی سازشی کاروائی کرنے سے اپنا دامن پاک رکھا، جنکی جدوجہد کو ناکام کرنے کیلئے روپیہ استعمال کیا گیا لیکن جواب میں انہوں نے روپے کے ذریعہ حمایت خریدنے کی کوشش نہ کی۔ دوسروں نے برادریوں کی عصبیتوں کو بھڑکایا لیکن انہوں نے اخوتِ اسلامی کو چرکے لگانے کی زیادتی کبھی نہ کی۔ دوسروں نے غنڈہ ازم سے مدد لی لیکن انہوں نے اسلام کے معیارِ اخلاق سے گرنے کی ذلت گوارا نہ کی۔

اسطرح کا تقابلی احساس دلانے کیلئے جماعتِ اسلامی اگر اصحابِ فسق و فجور اور اربابِ صالحیت کی دو صفوں کو منے سامنے لانے میں کامیاب ہو گئی تو آنیوالے پانچ سال فیصلہ کن نتائج کو بروئے عمل لا کے رہینگے ___ یہ واقعہ ابھی کل کا ہے کہ آخری انتخابات سے پہلے ہمارے ملک میں جو انتخابات ہوئے تھے انمیں پہلی مرتبہ مسلم لیگ میدان میں آئی تھی اور مغربی پنجاب جیسے متاثر صوبہ میں اسکے صرف دو امیدوار کامیاب ہوئے تھے جنمیں سے ایک مسلم لیگ سے ٹوٹ گیا تھا اور کل ایک نمائندہ مسلم لیگ کیطرف سے اسمبلی میں کام کرنے کیلئے باقی رہ گیا تھا، لیکن دوسرے انتخابات میں یہی مسلم لیگ تھی کہ ہاؤس اسکے تسلط میں تھا۔

پس جماعتِ اسلامی ناکامی کا شمہ بھر اندیشہ بھی نہیں رکھتی، بلکہ وہ دیکھ رہی ہے کہ اس کے لئے کامیابی کی راہیں پوری طرح کھلی ہیں اور وہ ساری مزاحمتوں کے باوجود اپنے اصولوں پر اور ان اصولوں کے خالق پر پورا پورا بھروسہ کر کے میدانِ عمل میں قدم رکھ رہی ہے۔

لیکن جماعت کے کارکنوں کو اس بات کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ پیشِ نظر کام کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ ایک ایسا معرکہ ہے جس کیلئے ؎

؎ ذہنی و اخلاقی بہت بڑی تیاریوں کی اور بالخصوص تعلق باللہ کی اشد ضرورت ہے۔ ان تیاریوں کا اہتمام کئے بغیر طوفان میں کود پڑنا ایک مذہبی جسارت کے مظاہرے کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔